حکمت مودودیؒ

تاریخ کا مطالعہ ' اسلامی نقطۂ نظر

تاریخ دراصل انسانیت کا حافظہ ہے جو نہ صرف قوموں اور جماعتوں کے بلکہ کل نوع انسانی کے پچھلے تجربات کا دفتر محفوظ رکھ کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ ان تجربات کی روشنی میں انسان اپنے حال کا جائزہ لے اور اپنے مستقبل کو آزمودہ بھلائیوں سے درست اور آزمودہ برائیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ اس دفتر میں مختلف نمایندہ شخصیتوں' اداروں' قوموں اور جماعتوں کے کارنامے ایک مربوط اور مسلسل طرزِ عمل کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں جنھیں دیکھ کر ہم ان کی نفسیات' ان کی افتادِ مزاج اور ان کی طینت کو سمجھ سکتے ہیں تاکہ آیندہ ان کے ساتھ ہم ایک اجنبی کی طرح نہیں بلکہ واقف کار کی طرح معاملہ کر سکیں۔ یہ دفتر اجتماعی زندگی کے لیے مدارج کے اعتبار سے بہت زیادہ مگر نوعیت کے لحاظ سے وہی اہمیت رکھتا ہے جو فردِ واحد کی زندگی میں اس کے حافظے کو حاصل ہے۔ اگر ایک فردِ واحد کا حافظہ اس سے سلب کر لیا جائے تو وہ پے درپے غلطیاں کرے گا یہاں تک کہ اپنی غلطیوں کا خود شکار ہو کر رہ جائے گا۔ اگر کسی شخص کی گذشتہ زندگی کا ریکارڈ ہمارے سامنے نہ ہو تو ہم اس کے متعلق صحیح رائے نہ قائم کر سکیں گے اور نہ اس کے متعلق اپنے طرزِ عمل کا صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ بالکل یہی صورت جماعتی زندگی کی بھی ہے۔ اگر ہم نوع انسانی کے اور خود اپنے اور ان قوموں اور اداروں کے جن سے ہمیں سابقہ پیش آتا ہے' پچھلے ریکارڈ سے واقف نہ ہوں تو ہماری اجتماعی زندگی غلط کاریوں اور غلط اندیشیوں کا مجموعہ بن کر رہ جائے گی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم "دفترِ پارینہ" کے اوراق کا کبھی کبھی نہیں بلکہ بار بار جائزہ لیتے رہیں۔

مطالعہ تاریخ کے طریقے: تاریخ کے اس دفتر کا جائزہ لینے کے لیے تین نقطۂ نظر ممکن ہیں۔ ایک نقطۂ نظر محض معروضی مطالعے کا ہے' یعنی واقعات اور حالات جیسے کچھ بھی گزرے ہیں' ان کو جوں کا توں دیکھا جائے۔ دوسرا نقطۂ نظر قوم پرستانہ مطالعے کا ہے' یعنی ہم واقعات کو اس نسل یا اس قوم یا اس ملک کی حمایت کے جذبے سے دیکھیں جس سے ہمارا تعلق ہے' اسی لحاظ سے نتائج اخذ کریں اور اسی لحاظ سے اشخاص اور اقوام کے متعلق رائے قائم کریں۔ تیسرا نقطۂ نظر مقصدی اور اصولی ہے' یعنی ہم نسلی اور قومی تعصبات سے بالاتر ہو کر مجرد انسانی فلاح و سعادت کو مقصود ٹھہرا کر اور نیک و بد کا ایک بے لاگ معیار سامنے رکھ کر نسل انسانی اور اس کے مختلف

اجزا کے کارناموں کو جانچیں اور بے لاگ ہی رائے قائم کریں۔

ان میں پہلا نقطۂ نظر خالص مؤرخانہ ہے اور اس حیثیت سے مفید ہے کہ اس طرح کے مطالعے سے صحیح واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں مگر بجائے خود مفید نہیں۔ دوسرے نقطۂ نظر میں بڑی جاذبیت ہے۔ بلامبالغہ تاریخ کے ۹۸ فی صدی طالب علموں کو اس نقطۂ نظر کی جاذبیت اپنی طرف کھینچ لیتی ہے کیونکہ ہر طالب علم بہرحال کسی نہ کسی نسل' قوم یا ملک سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خود غرضی وسعت اختیار کر کے بآسانی شخصی خود غرضی سے قومی خود غرضی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے اور اپنی قوم ہی کے نقطۂ نظر سے تاریخ کا مطالعہ کرنے پر مائل ہوتا ہے۔ اس میں اسے فخر وناز کے لیے چند بت مل جاتے ہیں جن کی پرستش کا نشہ اسے اور اس کی قوم کو ابھرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور اسی میں اس کو نفرت اور عداوت کے لیے چند ہدف بھی مل جاتے ہیں جن پر اپنے جذبات غضب کو مرکوز کر کے وہ قومی وحدت' مقابلہ و مسابقت اور کامیابی و برتری کے مقاصد حاصل کرتا ہے۔ لیکن دنیا میں اکثر جھوٹ اسی مطالعے کی بدولت پھیلے ہیں۔ اکثر ظلم' اکثر بے انصافیاں' اکثر خون ریزیاں اور قومی و نسلی عداوتیں اسی کی بدولت برپا ہوئی ہیں۔ اکثر بروں کو اچھا' اکثر شیطانوں کو مرکز پرستش اسی مطالعے نے بنایا ہے۔ اکثر اچھوں کو برا اور اکثر نیکوکاروں کو لعن طعن کا ہدف اسی مطالعے کی بدولت ٹھیرایا گیا ہے۔ انسانیت کو مجروح کرنے اور زمین کو فساد سے بھرنے میں تاریخ کے اس طرز مطالعہ کا کچھ کم حصہ نہیں ہے۔ یہ مرض دنیا میں ترقی کر کے کچھ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب قومی اغراض کے لیے تاریخیں گھڑی جاتی ہیں۔ جن قوموں کا ماضی کچھ نہ تھا' وہ ایک پورا ماضی اپنی خواہشات کے مطابق تصنیف کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اور جن سے حال میں مقابلہ درپیش ہے ان کے ماضی کی تصویر کول تار سے منقش کر کے تیار کر لی جاتی ہے تاکہ نئی نسلوں میں ان کے خلاف بغض پیدا کیا جا سکے۔ رہا تیسری قسم کا مطالعہ تو وہ یقیناً سب سے بہتر ہے مگر اس کے صحیح و نتیجہ خیز ہونے کا انحصار دو باتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ بجائے خود انسانی فلاح و سعادت کا نظریہ درست اور نیک و بد کا معیار صحیح ہو۔ دوسرے یہ کہ واقعات جن پر استدلال کی عمارت اٹھائی جاتی ہے' معروضی مطالعے کے ذریعے سے اخذ کیے گئے ہوں نہ کہ اپنے نظریے کو سامنے رکھ کر ان کو ایک خاص سانچے میں ڈھال لیا گیا ہو۔

اسلامی نقطۂ نظر: اسلام چونکہ کسی خاص قومیت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مسلک ہے جو مطلقاً انسان اور اس کی سعادت سے تعلق رکھتا ہے اور ان تعصبات سے اس کو کسی قسم کی دل چسپی نہیں ہے جو انسانوں کی نسلی' قومی اور جغرافیائی تقسیمات سے پیدا ہوتے ہیں' لہٰذا تاریخ میں اس نے یہی آخری رویہ اختیار کیا ہے۔ اگر ایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو' وہ واقعات کو جیسے کہ وہ فی الواقع گزرے ہیں بلا کسی تعصب کے جوں کا توں سامنے رکھے اور پھر اسلام نے جو معیار حق و باطل اس کو دیا ہے' اس کے مطابق اشخاص' اقوام اور اداروں کے رویوں کو جانچ کر بے لاگ

نتائج اخذ کرے۔ غلطی جہاں بھی ہو، کوتاہی جہاں بھی پائی جائے، اسے بے تکلف وہیں انگلی رکھ دینی چاہیے اور کھوج لگانا چاہیے کہ اس کی پیدائش کے اسباب کیا ہیں اور اس نے انسانی فلاح و سعادت پر کیا اثر ڈالا ہے، کتنا اور کس طرح اثر ڈالا ہے؟ اسی طرح خوبی جہاں اور جس میں بھی نظر آئے، بے تکلف اس کا ادراک کرنا چاہیے اور اس کے مفید نتائج یا غیر نتیجہ خیز رہ جانے کے اسباب کا سراغ لگانا چاہیے۔ ٹھیک یہی رویہ ہے جو قرآن میں سوانح اشخاص اور تاریخ اقوام سے بحث و استدلال کرتے وقت اختیار کیا گیا ہے۔

تاریخ کے باب میں یہ اسلام کا مسلک ہے اور مسلمان کا بھی یہی مسلک ہونا چاہیے۔ لیکن بدقسمتی سے تاریخی اور تہذیبی اسباب نے مسلمانوں کو ایک خیالی جماعت کے بجائے ایک نسلی و تہذیبی قومیت میں تبدیل کر دیا ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کا طرز عمل دیکھ دیکھ کر ان کے اندر بھی قوم پرستی کا جذبہ ابھر رہا ہے۔ اس لیے مسلمان اب عموماً تاریخ میں وہی قوم پرستانہ نقطۂ نظر اختیار کرتے جا رہے ہیں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی پچھلی تاریخ کا جائزہ اب اس غرض کے لیے لینے لگے ہیں کہ فخر کرنے کے لیے انھیں کچھ ہیرو درکار ہیں، پرستش کرنے کے لیے کچھ بتوں کی ضرورت ہے، مقابلہ و مسابقت اور جدوجہد کے میدان میں پیش قدمی کرنے کے لیے کچھ قومی تفاخر کا نشہ اور کچھ قومی عداوت کا غصہ مطلوب ہے۔ اسی جنس کے جذبات میں سے ایک جذبہ یہ بھی ہے کہ پچھلے زمانوں کے مسلمان، اشخاص یا گروہوں کو بے عیب، مجسمہ فضائل، مجموعہ کمالات اور مثالی شخصیتوں کا مالک ثابت کیا جائے، خواہ اس کا نتیجہ یہی کیوں نہ ہو کہ اس طرح ان کی حقیقی کوتاہیوں کا پشتارہ اسلام کے سر پر رکھ کر ہم نادانستگی میں اسلام کی پوزیشن دنیا کے سامنے غلط طور پر پیش کرنے کا سبب بن جائیں۔

یہ طرز عمل اپنی اصل و بنیاد کے اعتبار سے بالکل غیر اسلامی ہے۔ اسلام اس جذبہ ہی کی قدر کرنے سے انکار کرتا ہے جس کی تحریک پر یہ ساری کاوشیں کی جاتی ہیں۔ مگر قوم پرستی جب "مسلم قوم پرستی" کی شکل میں ظہور کرتی ہے، جب غیر مسلموں کے بجائے مسلمانوں کی حمایت اور مسلمانوں کو سراہنے اور ان کا بول بالا کرنے کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، تو عیب، صواب بن جاتا ہے اور گناہ، نیکی بن کر رہ جاتا ہے۔ اس معاملے میں حق کو باطل سے ممتاز کرنا اور اسلام کی بے لاگ راستی پر قائم رہنا بڑی بڑی بلند پایہ روحوں کے لیے بھی مشکل ثابت ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ وطنی قوم پرستی کی برائی تو تھوڑے استدلال سے ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے مگر "مسلم قوم پرستی" جو اپنی اصل روح کے اعتبار سے بعینہٖ اسی نوعیت کی چیز ہے، مشکل ہی سے کسی کو غلط محسوس ہوتی ہے (تذکرہ سید مودودی"، ج ۲، ص ۷۳۹-۷۴۲۔ شخصیات، مرتب: سمیع اللہ بٹ، خالد ہمایوں، ص ۱۷۳-۱۷۷)۔